خواتین شعراء کا مزاحمتی رنگ

سلمٰی صدیقی*

Abstract:

Exploited humanity and suppressed segments of society have always been the subject of Urdu writers. From Pakistan movement to date one can see that Urdu writers have always raised voices for the people falling prey to the cruelties of the oppressors. The role of Pakistani women poets, in this connection is significant in the sense that more often than not they have raised voices against the internal oppression rather than external aggression.

In order to keep it brief, this study focuses on only Fehmida Riaz, Parvin Shakir and Kishver Nahid otherwise women poets like Sara Shagufat, Zahra Nigar, Noshi Gilani, Rehana Qamar, Nasim Akhtar and many other can be mentioned who not only raised voice for women rights rather they made our women realize that they are not to be fallen prey to exploitation and male dominance.

Fehmida Riaz showed the women poets the new avenues of expression and for the first time challenged the male dominance.

Parvin Shakir, besides pin-pointing and promoting the sensitivity and slender attributes of the eastern women, stimulated them to stand up for their rights and not to allow the males to devour them like a funny cake.

Kishver Nahid is not an exception in this connection but instead of coming up as an upright rebellion, she adopted a moderate expression. However, Kishver believes that women should not be subjected to follow man-made rules, they must be allowed to lead the life in accordance with their conscience.

تحریک پاکستان میں جدو جہد آزادی سے دور حاضر تک اہل ادب کے ہاں حریت انسانی کے پرچار اور

* شعبہ اُردو، کنیرڈ کالج، لاہور۔

آزادی فکر کی جدوجہد دیکھی جاسکتی ہے۔ بالخصوص ترقی پسند تحریک کے علمبردار اور بالعموم پاکستانی ادب کے داعی اس حوالے سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ زیریں طبقات، جبر کا نشانہ بننے والی مقہور انسانیت اور استحصال کا شکار ہونے والوں کی آواز بننے والے ادیبوں میں پاکستانی شاعرات کا کردار اس اعتبار سے نا قابل فراموش ہے کہ انہوں نے بیرونی سامراج سے زیادہ داخلی جبری رویے کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ پاکستانی شاعرات کی تخلیقات کو دو مختلف سطوح پر دیکھا جاسکتا ہے، اوّل: حریت انسان، دوّم: حریت نسواں۔

یہ ایک نا قابل فراموش حقیقت ہے کہ معاشرتی ارتقاع اور تغیرات ادبی نظریات اور افکار کو متاثر کرتے ہیں۔ نسائی تحریک کے زیر اثر ہماری شاعرات کا حاوی موضوع 'مرد کی جبریت سے عورت کی صنفی آزادی' رہا ہے۔ عورت جو پہلے گھر کی چار دیواری میں قید رہتی اور گھٹن بھری زندگی گزارتی تھی، اب اس کی سوچ اور فکر میں بھی تبدیلی آئی اور وہ خود اپنے لیے نئے راستے تلاش کرنے لگی۔ ہمارے ہاں عورت کی سوچ اور اس کے مسائل کو ترقی پسندوں نے آگے بڑھایا اور اسے نا صرف باخبر کیا بلکہ اپنے خیالات کے بھرپور اظہار کے ذریعے اس کا ساتھ بھی دیا۔ نتیجتاً خود ادب کی دنیا ہو یا سماج، سبھی جگہ یہی عورت، مرد کے دوش بدوش چلتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے اپنی گزارش و نگارش سے ادب کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی۔ نت نئے راستے اور موضوعات ان شاعرات نے تلاش کیے اور انہیں ایک نئے رنگ اور ڈھنگ سے پیش کیا۔ اپنی شاعری کے ذریعے وہ یہ بھی آگاہ کرتی چلی کہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام جس نے عورت کو طوائفوں اور رکھیلوں کے روپ میں تصور کیا، محفلوں اور مجروں کی زینت بنایا اب روبہ زوال ہے، بدلتے ہوئے نظام میں آج کی عورت بہت بدل چکی ہے۔ اب وہ عورت کی آزادی کی لڑائی میں شامل ہو کر کارکردگی پر اتر آئی ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ اب سماجی آزادی اور سیاسی آزادی، سب کی خواہش مند ہے۔

اس حوالے سے زہرہ نگار، سارہ شگفتہ، نوشی گیلانی، ریحانہ قمر، نسیم اختر، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر اور کشور ناہید سمیت بہت سی شاعرات کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اختصار کے پیش نظر محض آخر الذکر تین شاعرات کو موضوع بحث بنایا جائے گا۔

اردو کی جدید شاعری میں فہمیدہ ریاض کی وہ نظمیں آتی ہیں جو ایک طرف تو نئی زندگی اور نئے راستے تلاش کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہیں تو دوسری طرف مردانہ سماج کے لیے ایک انتباہ بھی بنتی ہیں۔ ''پتھر کی زبان'' میں وہ کہتی ہیں:

جو عزم ہے، امنگ ہے تو ہم مراد پائیں گے
جو اشک میں لہو کا رنگ ہے تو گُل کھلائیں گے
کبھی تو اے خدا! کبھی تو ہم بھی مسکرائیں گے(۱)

فہمیدہ ریاض نے عورت کے استحصال کا بھرپور جواب اپنی شاعری کے ذریعے دیا ہے کہ اس نظام میں

عورت کو اس کا حق تب ہی مل سکتا ہے جب یہ نظام بدلے گا۔خود جب تک عورت کی سوچ اور فکر میں تبدیلی نہیں آتی تب تک عورت اس نظام کے ہاتھوں استحصال کا شکار رہے گی۔فہمیدہ کی دوسری مُوڈ کی نظموں میں ''لاؤ ہاتھ اپنا لاؤ ذرا'' ایک دلچسپ تجربہ ہے۔اس نظم میں ایسی اظہاریت ہے جو عورت کی نسائیت کے لیے ایک چیلنج بھی بنتی ہے۔اس نظم میں عورت کی گھریلو زندگی اور ممتا کو ملا کر ایک نئے ڈھنگ کی نظم کا ڈھانچہ بنایا گیا ہے۔ایسی صورتیں نسائی شاعری میں اس بے باکی اور اپنائیت کے ساتھ شاید ہی کہیں ملیں گی اور پھر جو نتیجہ نظم نے نکالا ہے وہ انسانی وجود کا ایک فلسفیانہ اور حقیقی تجربہ ہے۔

لاؤ اپنا ہاتھ لاؤ ذرا
چھو کے میرا بدن
اپنے بچے کے دل کا دھڑکنا سنو
ناف کے اس طرف
اس کی جنبش کو محسوس کرتے ہو تم؟
بس یہیں چھوڑ دو
تھوڑی دیر اور اس ہاتھ کو میرے ٹھنڈے بدن پر یہیں چھوڑ دو
میرے بےکل نفس کو قرار آ گیا (۲)

پروین شاکر کا رنگ ذرا مختلف ہے۔وہ اپنی علامتوں کے ذریعے عورت کے دکھ درد کو بیان کرتی ہیں جو نئی عورت کے لیے ایک بہت بڑا اخراجِ تحسین (Tribute) ہے۔ان کے ہاں عورت کی ہمدردی اور پاکیزگی کا بیان اس طرح ملتا ہے۔

سجے سجائے گھر کی تنہا چڑیا
تیری تازہ آنکھوں کی ویرانی میں
پچھّم جانے والے شہزادوں کی ماں کا دُکھ
تجھ کو دیکھ کے اپنی ماں کو دیکھتی ہوں
اور سوچتی ہوں ساری مائیں ایک مقدر کیوں لاتی ہیں
گود میں پھولوں والا آنگن پھر بھی خالی (۳)

عورت کا اتنا صاف ستھرا تصور، عبادت، سادگی اور آواز کی نغمگی یہ سب نئی عورت کی اصل حقیقت کو پیش کرنے کی کوشش ہے۔جو اس کو نئے راستے اور نئی فکر کی طرف راغب بھی کرتی ہے اور جب یہی عورت ایک بہادر، پُر اعتماد اور مردوں کے شانہ بہ شانہ زندگی کے کٹھن راستوں پر چلنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے تو عورت کے لیے یہ ایک نیا تصور بنتا ہے کہ اس کی آزادی پر اب کسی طرح کی پاسداری یا دباؤ کوئی بھی عائد نہیں کر سکتا۔یہ سوچ اور فکر اس لحاظ

سے نئی ہے کہ اجتماعی طریقے پر عورت نے ادب اور تخلیقات میں پہلے کبھی اس طرح سے نہیں سوچا تھا بلکہ اس کی فکر اجتماعی مسائل کو انفرادی ڈھنگ سے پیش کرنے میں شاید یقین رکھتی ہے۔ اب وہ مردوں کے بنائے ہوئے نظام کو چیلنج بھی کرتی ہے۔ اپنی نظم ''مس فٹ'' میں پروین شاکر لکھتی ہیں :

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں
مجھ میں لوگوں کو خوش رکھنے کا ملکہ
اتنا کم کیوں ہے
کچھ لفظوں سے کچھ میرے لہجے سے خفا ہیں
پہلے میری ماں
میری مصروفیت سے
نالاں رہتی تھی
اب یہی گلہ مجھ سے میرے بیٹے کو ہے
رزق کی اندھی دوڑ میں رشتے کتنے پیچھے رہ جاتے ہیں
جب کہ صورتِ حال تو یہ ہے
میرا گھر
میرے عورت ہونے کی مجبوری کا
پورا لطف اٹھاتا ہے
ہر صبح
میرے شانوں پر
ذمہ داری کا بوجھ لیکن
پہلے سے بھاری ہوتا جاتا ہے
پھر میرا دفتر ہے
جہاں تقرر کی پہلی ہی شرط کے طور پر
خودداری کا استعفیٰ داخل کرنا تھا
میں بنجر ذہنوں میں پھول اُگانے کی کوشش کرتی ہوں
کبھی کبھی ہریالی دِکھ جاتی ہے
ورنہ پتھر
بارش سے اکثر ناراض ہی رہتے ہیں
میرا قبیلہ میرے حرف میں روشنی ڈھونڈ نکالتا ہے (۴)

پروین شاکر سے ملتی جلتی کسی حد تک انقلابی آہنگ کی باتیں کشور ناہید بھی کرتی ہیں۔ نظیر صدیقی کا کہنا ہے کہ ''فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر کے درمیان ایک اہم کڑی کشور ناہید ہیں۔'' (۵) کشور ناہید کے مجموعہ ''لب گویا'' میں ان کی شاعری میں دو ہری لہریں چلتی ہیں۔ ایک یہ کہ عورت کے لیے زندگی کے اصول مرد نے بنائے تھے لہٰذا شاعرہ کو ان سے الگ ہٹ کر اپنی ضرورتوں اور اپنے حالات کے تحت اپنی دنیا آپ بنانے کی فکر ہے۔ جس میں بہت زیادہ کھلا پن اگرچہ نہیں ہے اور نہ بغاوت کی آواز زیادہ اٹھتی ہے۔ لیکن دوسری جانب دبے دبے الفاظ میں روایتی پابندیوں اور قدروں کی جھلک دیکھنے کا طنزیہ لہجہ بھی نظر آتا ہے اس میں انہوں نے اپنی ذاتی زندگی کے تجربے بھی شامل کر دیئے ہیں۔ لیکن اپنے تیسرے مجموعہ ''گلیاں، دھوپ، دروازے'' میں ان کا احتجاجی اور انقلابی لہجہ شدید ہو جاتا ہے۔ اس مجموعہ کی پہلی نظم ہی جو بظاہر خود کلامی ہے مگر یہ عورت کو آزادی کا پیغام دیتی نظر آتی ہے۔ یہ نظم ایک شرارہ ہے جو متحرک کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ کشور لکھتی ہیں:

کشور ناہید!
تم منہ بند سیپی کی طرح
زندگی کے سمندر میں
ہواؤں سے باتیں کرنے
پہاڑوں کی بنیاد ہلانے
اور لہروں کو اپنے بالوں کی طرح کاٹ کر
ساحل پہ
گزشتہ کی روایتی
اور آج کی مضطرب
عورت بن کر سوچ رہی ہو
کشور ناہید!
تمہیں خاموش دیکھنے کی چاہت
قبروں سے بھی اُمڈی آ رہی ہے
مگر تم بولو
کہ یہاں سننا منع ہے
مجھے جن جذبوں نے خوف زدہ کیا تھا
اب میں ان کے اظہار سے
دوسروں کو خوف سے لرزتا دیکھ رہی ہوں (۶)

المختصر پاکستانی شاعرات نے رسوم ورواج اور معاشرتی زنجیروں میں جکڑی ہوئی عورت کو اظہار کی دولت سے نواز نے اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پر اکسانے کی کامیاب کوشش کی۔ اور وہ عورت جو مرد ارتکاز معاشرے میں حرص وہوس اور نام نہاد غیرت کا کھلونہ بن کے رہ گئی تھی، احساس دلایا کہ عورت کا رزار زیست میں مردوں کے پیروں کی ٹھوکر کا کنکر نہیں، دراصل اس کی اپنی غیرت وحمیت کی پیشانی کا ٹیکہ ہے جسے پاؤں میں روند کر وہ عورت کو نہیں اپنی عظمت کو گہنا رہا ہے۔

لہٰذا اس طرح ہماری شاعرات نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ ایک مدت تک مرد سوسائٹی نے عورت کو انسان نہیں سمجھا اور اس کی ہر طرح کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر جیسے اسے انسان ہونے کے احساس سے بھی دور کر دیا۔ محض اسی طرح کہ مرد، عورت کا ایک طرح سے اَن داتا بن گیا ہے اور عورت جیسے اس کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فہمیدہ ریاض، "میں مٹی کی مورت ہوں'' (کلیات)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص:۶۶

۲۔ ایضاً، ص: ۹۲

۳۔ پروین شاکر، ''انکار''، اسلام آباد، مراد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۷

۴۔ ایضاً، ص: ۱۲۶

۵۔ نظیر صدیقی، ''تفہیم وتعبیر''، ملتان، کاروان ادب، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۲۸

۶۔ کشور ناہید، ''گلیاں، دھوپ، دروازے''، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۸ء، ص: ۹ تا ۱۰

کتابیات

۱۔ پروین شاکر، ''انکار''، اسلام آباد، مراد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء

۲۔ فہمیدہ ریاض، "میں مٹی کی مورت ہوں'' (کلیات)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء

۳۔ کشور ناہید، ''گلیاں، دھوپ، دروازے''، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۸ء

۴۔ نظیر صدیقی، ''تفہیم وتعبیر''، ملتان، کاروان ادب، ۱۹۸۳ء